عہد نبوی ﷺ کے معاشی نظام کے خدوخال اور عصر حاضر کے چیلنجز (ایک تحقیقی جائزہ)

A Study of Important Features of Economic System in the Era of the Holy Prophet P.B.U.H and contemporary Challenges

ڈاکٹر مولانا حافظ حبیب الرحمٰن [1]

محمد اصغر شہزاد [2]

Abstract

In establishing a peaceful and healthy society, the economic justice plays a pivotal role. In order to establish such system Islam has set certain standards, based on justice and practicality. The main objective of this paper is to highlight these standards in the light of the teachings of the Holy Prophet (P.B.U.H.). The paper has focused on the economic teachings of the Prophet (PBUH) in the micro and macro level and concluded that these teachings are unique in respect of welfare, justice and practical. The Muslim Ummah is facing different challenges including interest based economy, poverty, inflation, balance of trade and foreign debt. This paper recommended that the Muslim Ummah should follow the teaching of the Prophet (PBUH) in order to economic growth and equitable distribution of wealth.

Key words: Economic System in the Era of Prophet (PBUH), Micro Economics, Macro Economics, Economic Challeges in Muslim Ummah and Solution.

1 چیئرمین شعبہ تربیت، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

2 لیکچرر شعبہ تربیت، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

1. تعارف:

بلا شبہ آپ ﷺ کی ذات اقدس اور سیرت مطہرہ ہر مسلمان کے لیے اور زندگی کے ہر شعبہ میں بہترین رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ انفرادی، اجتماعی اور گھریلو زندگی تک کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں آپ ﷺ کی حیات طیبہ سے رہنمائی نہ لی جاسکے ۔ سیرت طیبہ قیامت تک کے لوگوں کے لئے راہ ہدایت ہے۔ شریعت محمدی ﷺ میں ملکی قوانین سے لے کر انفرادی معاملات تک کے احکام موجود ہیں۔آپ ﷺ انہیں اپنی زندگی میں لاگو کر کے اپنی امت کو عملی نمونہ پیش فرمایا ہے۔ لہٰذا جہاں اللہ کی شریعت سے رہنمائی لینی ضروری ہے وہاں آپ کی حیات طیبہ کو بھی سامنے رکھنا لازم ہے تاکہ اس حکم کی تعمیلی صورت سامنے آجائے۔

حضور اکرم ﷺ کے تدبر و فراست کے سلسلے میں ایک بنیادی بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کے تمام فیصلے،احکام اور ارشادات دوبنیادوں پر مبنی ہوتے تھے۔ ایک وحی و الہام اور دوسرے پیغمبرانہ بصیرت۔وحی اور الہامی ایک بے خطا حقیقت ہے لہٰذا اس سے بہتر فیصلہ نہیں ہو سکتا۔جہاں تک پیغمبرانہ بصیرت کا تعلق ہے وہ بھی ہدایت خداوندی سے فیض یاب ہے اس لئے اس کی روشنی میں انجام پانے والے تمام امور عام انسانی بصیرت سے بدرجہا بہتر اور بلند تر ہیں۔

آپ ﷺ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد فوری طور پر مسجد نبوی کی بنیاد رکھی گئی یعنی ریاست کے لئے سکریٹریٹ قائم کر دیا گیا۔اس کے ساتھ معاشرے کے معاشی وسائل کو اولیت دی گئی۔ چونکہ ہنگامی حالت تھی اور دوسری طرف انصار مدینہ تھے جن میں بعض متوسط بھی تھے اور بعض کافی مالدار بھی تھے یعنی عملی طور پر جو شکل آج پاکستان کی ہے کچھ ایسی ہی شکل مدینہ منورہ کی تھی۔ ہمارے ہاں بھی ایک طبقہ معاشی ظلم کی وجہ سے بدحالی کا شکار ہے اور دوسرا طبقہ کافی متمول ہے۔ایسی حالت میں محسن انسانیت ﷺ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیا[1]۔ ایک ٹیم موجود تھی جو اسلامی فلاحی نظام پر پختہ یقین رکھتی تھی اس

---

[1]۔ ابن ھشام، عبدالملک بن ھشام (م ۲۱۸ھ) 'السیرة النبویة، دار احیاء التراث العربی، (۱۹۹۴) ص ۱۸۸۔۱۲۰

لئے اس ٹیم کے افراد نے ایک دوسرے کے لئے قربانی دی اور اس طرح دو طبقوں میں جو غیر معقول معاشی فرق تھا وہ ختم ہو گیا[2]۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان دنوں مدینہ منورہ کی معاشیات کا سارا انحصار یہودیوں کے سودی کاروبار پر تھا جس طرح آج ہماری ساری معیشت سودی نظام پر قائم ہے۔ بالکل یہی کیفیت اس دور میں بھی تھی۔ مگر حضور اکرم ﷺ نے مہاجرین سے یہ نہیں فرمایا کہ تم بھی یہودیوں سے سود پر قرض لے کر اپنا کاروبار شروع کر دو کیونکہ اس طرح معاشی انصاف پر مبنی معاشرے کی تشکیل ناممکن تھی۔ بلکہ آپ ﷺ نے انصار مدینہ سے فرمایا کہ اپنے بھائیوں کی مدد کرو اور پھر قرض حسنہ کا نظام رائج فرمایا اور جب معاشرے کے افراد عملاً باہمی تعاون کے ذریعے بلا سود قرضوں پر معیشت کو قائم کرنے میں لگ گئے تو آپ ﷺ نے سود کو مکمل طور پر حرام قرار دے کر اس لعنت کو ختم کر دیا۔ مگر افسوس کہ آج کی نام نہاد اسلامی حکومتیں ورلڈ بنک، آئی ایم ایف اور دیگر یہودی اداروں سے سودی قرضے لے کر مسلمان نسلوں کو ان کے ہاں گروی رکھ رہی ہیں۔ جبکہ مسلمان معاشروں میں باہمی تعاون کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ہم یہود کے معاشی تسلط سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں اور یوں اسلامی معاشرے کے ایک انقلابی دور میں داخل ہو سکتے ہیں۔

دولت کی منصفانہ تقسیم اور ایک متوازن معاشی نظام کے لئے ضروری ہے کہ سیرت طیبہ ﷺ کا مطالعہ کیا جائے اور اس سنہری دور سے راہنمائی حاصل کی جائے تاکہ مسلم امہ اس زبوں حالی سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔ موجودہ معاشی نظام چاہے سرمایہ دارانہ ہو یا اشتراکی مکمل طور پر ناکام ہو چکے ہیں، ایک متوازن معاشی نظام کے لئے ضروری ہے کہ اس میں دولت کی منصفانہ تقسیم ہو جو کہ موجودہ نظام میں نہیں ہو سکتی۔ اس مقالہ میں سیرت طیبہ ﷺ کے معاشی پہلو پر روشنی ڈالی جائے گی، تاکہ موجودہ دور کی مشکلات اور چیلنجز سے نمٹنے کے لئے راہنمائی حاصل کی جا سکے۔

2۔ حوالہ بالا

2. عہد نبوی ﷺ کے معاشی نظام کے خدوخال

2.1. اسلام میں معاشی نظام کا تصور

جب اسلام کے معاشی نظام کی بات کی جاتی ہے تو اس کا قطعاً یہ مفہوم نہیں ہے کہ یہ ایک مفصل معاشی نظام ہے جو ہر دور اور جگہ کے لیے یکساں مفید ہے اور اس میں معاشی زندگی کی جملہ تفصیلات طے کر دی گئی ہیں۔ اس کا درست تصور یہ ہے کہ اسلام نے ہمیں معاشی زندگی سے متعلق بنیادی اصول دیئے ہیں جن کی بنیاد پر ہر زمانے اور ہر جگہ کی ضروریات کے مطابق تفصیلات طے کی جا سکتی ہیں۔ باالفاظ دیگر اس معاشی خاکہ میں ہر دور کی ضروریات کے مطابق رنگ بھرا جا سکتا ہے۔ اسلام کا مزاج یہ ہے کہ وہ مختلف شعبہ ہائے حیات سے متعلق ایک حدود اربعہ مقرر کر دیتا ہے اور ان حدود کے اندر ہم اپنے حالات، ضروریات اور تجربات کے مطابق تفصیلات طے کر سکتے ہیں۔ انہی حدود کے اندر ہر دور کے فقہاء نے اپنے زمانے کی ضروریات کے لحاظ سے معاشی زندگی کی صورت گری کی۔ ان میں سے جو تفصیلات آج کے دور سے مطابقت رکھتی ہیں انہیں اختیار کیا جا سکتا ہے اور معاشی زندگی میں جو نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں ان کا استخراج قرآن و سنت کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے۔

2.2. اسلام کے معاشی نظام کی غرض وغایت

اسلام کے معاشی نظام کا اساسی مقصد انسان کی فلاح و بہبود ہے۔ یہ نہ تو سرمایہ دارانہ نظام کی طرح مادہ پرستی اور خود غرضی پر مبنی ہے اور نہ ہی سوشلزم کی طرح طبقاتی نزاع کا داعی ہے بلکہ اسلام کا معاشی نظام اسلامی معاشرے کے اندر منصفانہ تعاون پیدا کر کے معاشرے کے افراد کو ایک دوسرے کا ہمدرد اور مددگار بناتا ہے جس سے مادی اور اخلاقی زندگی میں ہم آہنگی اور معاشی انصاف کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

3. عہد نبوی ﷺ کے معاشی نظام کی امتیازی خصوصیات

3.1. دولت کی منصفانہ تقسیم:

عہد نبوی ﷺ کے معاشی نظام کی ایک منفرد خصوصیت یہ ہے کہ اس کا مقصد دولت کی منصفانہ تقسیم اور معاشی انصاف ہے، جس سے ایک طرف ہر طرح کے معاشی ظلم اور بے جا استحصال کا سد باب ہوتا ہے تو دوسری طرف معاشرے میں اخلاقی فضائل کی نشو نما بھی ہوتی ہے۔ معاشی ظلم کا دروازہ بند کرنے کے لیے آپ ﷺ کی متعدد احادیث میں سود، ذخیرہ اندوزی، غصب وخیانت، قمار، غرر اور تجارت میں ناجائز حربوں کی ممانعت کی گئی ہے جو کہ دولت کی منصفانہ تقسیم میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں اور معاشی عدل کو فروغ دینے کے لیے کاروبار میں سچ، دیانت و امانت کسبِ حلال، قرض حسن، انفاق فی سبیل اللہ جیسی قدروں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ سود کی سنگینی کا اندازہ درج ذیل حدیث مبارکہ سے کیا جاسکتا ہے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ -صلى اللهُ عليه وسلم- آكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ[3]

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ گناہ میں سب برابر ہیں۔

3.2. معاشی آزادی اور اس کی حدود:

عہد نبوی ﷺ کے معاشی نظام میں معاشی سرگرمیوں میں آزادی کو مقدم رکھا گیا ہے اور صرف اس حد تک پابندی عائد کی گئی ہے جس حد تک انسانی فلاح کے لیے ناگزیر ہے، کیونکہ ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

3- مسلم بن الحجاج بن مسلم، **صحیح مسلم**، باب لَعْنِ آكِلِ الرِّبَا وَمُؤْكِلِهِ، دار الجیل بیروت، ح۴۱۷۷

لا تزولُ قَدَمَا عبدٍ يومَ القيامةِ حتَّى يُسألَ عن أربعٍ عَن عُمُرِه فيما أفناهُ وعن جسدِهِ فيما أبلاهُ وعن عِلمِهِ ماذا عَمِلَ فيهِ وعن مالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وفيما أنفقَهُ"[4]

قیامت کے دن کوئی انسان بھی اپنی جگہ سے اس وقت تک نہیں ہل سکے گا جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں سے متعلق پوچھ نہ لیا جائے، اس کی زندگی کے بارے میں کہ کن کاموں میں گزاری؟، جوانی کن کاموں میں گزاری؟ مال و دولت کہاں سے حاصل کیا؟ اس مال و دولت کو کہاں خرچ کیا؟ جو علم حاصل کیا اس پر کتنا عمل کیا؟

3.3. بے قید معیشت کی بجائے حلال و حرام کی حدود:

نبی ﷺ کے عطا کردہ معاشی نظام کی بنیاد حلال و حرام کی تمیز پر ہے اس لحاظ سے یہ سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کی طرح بے لگام معاشی نظام نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يأتي على الناس زمان لا يبالي المرء ما أخذ منه، أمن الحلال أم الحرام[5]

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آجائے گا جس میں آدمی اس بات کی پرواہ نہیں کرے گا کہ اس نے جو مال کمایا ہے وہ حلال ہے یا حرام۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام نے دولت کمانے والوں کو کھلی چھوٹ نہیں دی بلکہ کمائی کے طریقوں میں اجتماعی مفاد کے لحاظ سے جائز و ناجائز کا امتیاز قائم کیا ہے۔ جبکہ ایک مادہ پرست انسان کے نزدیک جائز و نائز کی کسوٹی صرف اپنا مفاد ہے یعنی ہر وہ ذریعہ جائز ہے جس سے مادی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ خواہ اس میں دوسرے فرد اور معاشرے کا نقصان ہی کیوں نہ ہو جبکہ اسلام اس ذہنیت کی مذمت کرتا ہے۔

---

[4]۔ محمد بن عیسیٰ، ترمذی، سنن الترمذي، باب في القيامة، دار إحياء التراث العربي – بيروت.ح ۲۴۱۷

[5]۔ محمد بن اسماعیل، بخاری، "صحيح البخارى"، باب تَفْسِيرِ الْمُشَبَّهَاتِ.ح ۲۰۵۹

3.4. اسراف وبخل کی بجائے اصول اعتدال:

نبی ﷺ کی معاشی تعلیمات میں اسراف اور بخل دونوں کی مذمت کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ زر پرستی، دولتِ دنیا کی حرص و ہوس اسلام سے دوری اور گمراہی کا ایک بڑا سبب ہے، اسی طرح دولت کو ناجائز اور بلاضرورت خرچ کرنا یا صرف معیار زندگی کو بلند کرنا ہی مقصدِ زندگی بنالینا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد مبارک میں تو اعتدال کو نصف معیشت قرار دیا گیا ہے: الاقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيشَةِ[6] (خرچ میں اعتدال نصف معیشت ہے)۔

3.5. اخلاقی اقدار پر مبنی معاشی نظام:

اسلام کا معاشی نظام اخلاقی اور مالی ترقی میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے نہ تو یہ رہبانیت کا قائل ہے اور نہ خالص مادہ پرستی کا بلکہ یہ سوچ اور ذہنیت پیدا کرتا ہے کہ دنیا ہی سب کچھ نہیں بلکہ اصل آخرت ہے اس لیے اس میں انسان کی معاشی سرگرمیوں کے حوالے سے امانت، دیانت، سچائی کی تاکید کی گئی ہے جبکہ جھوٹ، ملاوٹ اور ذخیرہ اندوزی کی ممانعت کی گئی ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

> إِنَّ الْحَلاَلَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لاَ يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ [7]
>
> حلال بھی بالکل واضح ہے اور حرام بھی، اور ان دونوں کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں جن کا بہت سے لوگ علم نہیں رکھتے۔ جس شخص نے اپنے آپ کو شبہات سے بچالیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا۔

6۔ سلیمان بن أحمد بن أیوب، الطبراني **"المعجم الکبیر"**، (م: ۳۶۰ھ)، ج۱۱، ص۲۶۱، ح۵۳۶

7۔ **صحيح البخارى**، باب فَضْلِ مَنِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ، ح۵۲

3.6. ارتکاز دولت:

نبوی تعلیمات میں ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ اسلامی معاشرے میں دولت گردش میں رہے اور چند ہاتھوں میں مرتکز نہ ہو جائے، اس کے لیے بلاسود قرض، کسانوں کو صدقے کا حکم، قانون وراثت و وصیت اور نظام زکٰوۃ وعشر وغیرہ کے تفصیلی احکام دیے گئے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی ارتکاز دولت کی ممانعت کی گئی ہے:

مَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ ۚ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ [8]

بستیوں والوں کا جو (مال) اللہ تعالیٰ تمہارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت والوں کا اور یتیموں مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے تاکہ تمہارے دولت مندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال گردش کرتا نہ رہ جائے اور تمہیں جو کچھ رسول نے دیا لے لو، اور جس سے روکے رک جاو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

4. موجودہ معاشی نظام:

انسان کا معاشی مسئلہ روئے زمین پر اس کے ظہور کے ساتھ ہی وجود میں آگیا تھا، احتیاجات اس کی فطرت کا جزولاینفک ہیں اور ان کی تسکین کا سامان خالق نے کائنات کے شش جہت میں رکھ دیا ہے اور سنت یہ ٹھرادی کہ سعی وجہد سے ہی انسان کو ان خزانوں تک رسائی حاصل ہو گی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں: **لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ**[9](اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی) تلاش معاش میں سرگردانی کا سبب وسائل کی کمیابی نہیں کہ یہ قطعی طور پر ایک غیر حقیقی مفروضہ ہے بلکہ یہ مشیت ایزدی کی کارفرمائی ہے۔ اس میں انسان کی آزمائش ہے کہ وسائل زیست کے حصول کی جدوجہد میں کس طرح اپنے مالک کی رضا اور ہدایت

8۔ الحشر: ۷

9۔ النجم: ۳۹

کو ملحوظ رکھ کر خوف اور غم واندوہ سے اپنے آپ کو مامون بناتا ہے اور ابدی ودائمی راحتوں کو اپنا نصیب بناتا ہے۔ فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ[10](جس نے میری تابعداری کی تو اس پر کوئی خوف اور غم نہیں ہو گا)اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَه مَعِيشَةً ضَنكًا[11] (اور جو میری یاد سے رو گردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی)

جدید معاشیات نے مغرب کے بے خدا اور مادہ پرستانہ ماحول میں پرورش پائی ہے۔اس وجہ سے اس نہایت ہی مفید علم کے رگ وپے میں انسان کی حقیقی فلاح کی بجائے افادیت پسندی کا زہر سرایت کر گیا ہے۔ایک طرف معاشی جدوجہد کو قلت وسائل کا شاخسانہ اور دوسری طرف زیادہ سے زیادہ مادی منفعت کے حصول کو اس کا نصب العین قرار دے کر انسانوں کو ایک ہمہ وقتی خود غرضانہ کشمکش کے سمندر میں اتار دیا گیا ہے۔اس کے نتیجہ میں چند زور آور افراد جائز وناجائز طریقہ سے خوش حالی کے ساحل مراد تک ضرور پہنچ جاتے ہیں لیکن انسانوں کی غالب اکثریت غربت وافلاس کے گرداب میں غرق ہو جاتی ہے۔جدید مغربی فکر آسمانی ہدایت سے محروم ہو کر انسان کو قلب و نظر کے ایسے ویرانوں میں لے گئی ہے جہاں سکون واطمینان اس لیے سراب بن کر رہ گیا ہے۔تمام تر سائنسی اور مادی ترقی کے باوجود انسانی زندگی کے تمام بنیادی مسائل حل طلب پڑے ہیں بلکہ ان کی سنگینی اور المناکی پہلے سے کہیں بڑھ گئی ہے۔بدامنی، عدم تحفظ، ظلم وناانصافی اور قوموں کے ہولناک تصادم کے بڑھتے ہوئے امکانات کے خوف سے لطف حیات معدوم ہو گیا ہے۔اس دور میں ضرورت اس امر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ سے راہنمائی لیتے ہوئے ان کی معاشی حکمت علمی کو اپنایا جائے، جن کی اساس اخوت، مساوات، تعاون، عدل اور احسان جیسی اخلاقی اقدار ہیں۔اس حوالے سے فرمان باری تعالیٰ ہے وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ

10۔ البقرۃ: ۳۸

11۔ طہٰ: ۱۲۴

اللهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ[12] (اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے) اسلام نے انسان کو مغربی معاشرے کی طرح مادر پدر آزادی نہیں دی بلکہ ان کو حلال اور طیب رزق کمانے کا حکم دیا ہے۔

5. جزوی معاشیات (Micro Economics) میں راہنمائی سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

معاشیات یا اقتصادیات (Economics) معاشرتی علوم (Social Sciences) کی اہم ایک شاخ ہے جس میں قلیل مادی وسائل و پیداوار کی تقسیم اور انکی طلب و رسد کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ عربی اور فارسی میں رائج اصطلاح اقتصادیات اردو میں معاشیات کے مترادف کے طور پر بھی استعمال ہوتی رہی ہے۔ معاشیات کی ایک جامع تعریف جو روبنز (Lionel Robbins) نے دی تھی کچھ یوں ہے کہ:

> *"Economics is the science which studies human behaviour as a relationship between ends and scarce means which have alternative uses."*[13]

> معاشیات ایک ایسا علم ہے جس میں ہم انسانی رویہ کا مطالعہ کرتے ہیں جب اسے لا محدود خواہشات اور ان کے مقابلے میں محدود ذرائع کا سامنا کرنا پڑے۔ جبکہ ان محدود ذرائع کے متنوع استعمال ہوں۔

معاشیات آج ایک جدید معاشرتی علم بن چکا ہے جس میں نہ صرف انسانی معاشی رویہ بلکہ مجموعی طور پر معاشرہ اور ممالک کے معاشی رویہ اور انسانی زندگی اور اس کی معاشی ترقی سے متعلق تمام امور کا احاطہ کیا جاتا ہے اور اس

12- الحشر: ۷

13- Lionel Robbins, **"An Essay on the nature and significance of Economic Science"**, Macmillan & Co., Limited St. Martin's Street, London, 1932, p. 15

میں مستقبل کی منصوبہ بندی اور انسانی فلاح جیسے مضامین بھی شامل ہیں جن کا احاطہ پہلے نہیں کیا جاتا تھا۔ معاشیات سے بہت سے نئے مضامین جنم لے چکے ہیں جنہوں نے اب اپنی علیحدہ حیثیت اختیار کر لی ہے جیسے مالیات، تجارت اور نظامت۔ معاشیات کی بہت سی شاخیں ہیں مگر مجموعی طور پر انہیں جزیاتی معاشیات (Microeconomics) اور کلیاتی معاشیات (Macroeconomics) میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ جزوی معاشیات سے مراد معاشیات کی وہ قسم ہے جس میں انفرادی درجہ پر معاشی تجزیہ کیا جاتا ہے جیسے کسی شخص، کارخانہ، شراکت، صارف یا گھر وغیرہ کا تجزیہ کیا جائے۔ اس کی بہت سی شاخیں ہیں مثلاً رویہ صارف، فلاحی معاشیات، تجارتی معاشیات، صنعتی تنظیم، معاشیاتِ خاندان وغیرہ۔ جبکہ کلی معاشیات میں معاشرہ کا اجتماعی سطح پر تجزیہ کیا جاتا ہے جیسے کسی ملک کی آمدنی اور شرحِ نمو یا بین الاقوامی تجزیات وغیرہ۔ موجودہ دور میں اس کی بہت سی شاخیں ہیں مثلاً معاشی ترقی، بین الاقوامی معاشیات، معاشیاتِ آبادی وغیرہ۔ ذیل میں ہم جزوی معاشیات کے اہم پہلوں کو سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں احاطہ کریں گے۔

5.1. صرف دولت

صرف کے اسلوب وانداز سے ہی معیشت کے تمام شعبوں بالخصوص پیدائش دولت کا رخ متعین ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر افراد معاشرہ کی اکثریت عیاشانہ صرف کی رسیا ہو جائے تو قومی وسائل کا بڑا حصہ عیش ونشاط کے غیر ضروری راستوں میں بہہ جائے گا اور حقیقی ضروریات کے لیے سرمایہ کی قلت عوام کو کمیابی اور گرانی سے دوچار کر دے گی۔ اس لیے مفاد عامہ اور لوگوں کی فلاح وبہبود کے نقطہ نظر سے صرف دولت کو منضبط کرنا بے حد ضروری ہے۔ اسے چند لوگوں کی ہوا اور حرص کے تابع کر کے عامۃ الناس کو معاشی پریشانیوں کے غار میں نہیں دھکیلا جاسکتا۔ اسلام چونکہ دین فطرت اور دین فلاح ہے اس لیے اس نے اپنے منصوبہ حیات میں صرف کے انضباط پر خصوصی توجہ دی ہے اور اعتدال وتوازن کی راہ سے اس کی ایسی مناسب اور موزوں حد بندی کی ہے کہ یہ انفرادی اور اجتماعی ہر پہلو سے انسان کے

لیے خیر کا باعث بن جائے۔قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ[14] (جو رزق ہم نے انہیں عطاء کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں) ۔

صرفِ دولت کی جو صورتیں اسلام نے بیان کی ہیں ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

أ۔ **انفاق مطلق:** اپنی اور اپنے اہل خانہ اور دیگر زیر کفالت افراد کی روز مرہ ضروریات کو پورا کرنے کے لیے خرچ کرنا، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: يَا ابْنَ آدَمَ، إِنَّكَ أن تَبْذُلَ الفَضْلَ خَيرٌ لَكَ، وأن تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَكَ، وَلا تُلامُ عَلَى كَفَافٍ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ،[15]. (اے ابن آدم اپنی دولت راہ خدامیں خرچ کرو تمہارے لیے بہتر ہے اور اس کا روکے رکھنا تمہارے لیے برا ہے اور گزارے کی مقدار رکھنے پر کوئی ملامت نہیں ہے سب سے پہلے ان پر خرچ کرو جن کے تم کفیل ہو اور جن کی تم پر ذمہ داری ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفالت کا پہلا حق ان لوگوں کا ہے جن کی ذمہ داری شریعت کی طرف سے عائد ہوتی ہے مثلاً بیوی بچے، اور قریبی عزیز و اقارب۔اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمایا گیا کہ مسکین کو دینا صرف صدقہ ہے اور قرابت دار کو دینے اور اس پر خرچ کرنے میں دو طرح کا اجر و ثواب ہے ایک یہ کہ وہ صدقہ ہے اور دوسرا یہ کہ وہ صلہ رحمی ہے[16]

ب۔ **انفاق فی سبیل اللہ:** اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے دین کی سربلندی اور تحفظ و اشاعت کے لیے مال صرف کرنا، رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے أَنْفِق يا ابن آدم أُنْفِق عليك اے آدم کے بیٹے اپنی کمائی خرچ کر میں تجھ پر (اپنے خزانہ غیب سے) خرچ کرتا رہوں گا[17] جو لوگ اخلاص سے اللہ کی راہ میں اور

---

[14]۔ البقرة: ۲

[15]۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم، **صحیح المسلم**، باب بَيَانِ أَنَّ الْيَدَ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَ، ح۲۴۳۵

[16]۔ **سنن الترمذي**، بیروت باب ما جاء في الصدقة على ذي القرابة ، ح۶۵۸

[17]۔ **صحيح المسلم**"، باب الْحَثِّ عَلَى النَّفَقَةِ وَتَبْشِيرِ الْمُنْفِقِ بِالْخَلَفِ، ح۲۳۵۵

ضرورت مندوں پر خرچ کرتے ہیں وہ کبھی مفلس نہیں ہوتے اللہ اپنی غیبی خزانے سے انہیں نوازتا رہتا ہے اور ایسے وسائل پیدا کرتا رہتا ہے جو ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتے یہ اللہ کا وعدہ بھی ہے اور عملی مشاہدہ بھی۔

5.2. مالیات کی فراہمی

کاروباری اداروں کو اپنی پیداواری ضروریات کے لیے کثیر مالی وسائل کی ضرورت ہوتی ہے جو بساء اوقات ان کے بس میں نہیں ہوتے۔ ان وسائل کے حصول کے لیے دیگر افراد اور اداروں کا تعاون ناگزیر ہوتا ہے۔ دیگر معاشی نظاموں میں مالیات قرض کی صورت میں ہوتی ہے جس پر سود ادا کیا جاتا ہے۔ اسلامی معاشیات میں اس نوعیت کے مالی وسائل کی فراہمی کے متعدد طریقے موجود ہیں جن سے نہ صرف استحصالی نظام کا خاتمہ ہوتا ہے بلکہ منصفانہ دولت کی تقسیم بھی ہوتی ہے۔ مالیات کی فراہمی کے چند ذرائع حسب ذیل ہیں:

أ۔ نفع ونقصان میں شراکت کی بنیاد پر ذرائع مالیات[18]:

- شراکت
- مضاربت

ب۔ تجارت کی بنیاد پر ذرائع:

- بیع سلم
- بیع مرابحہ
- بیع موجل

ج۔ کرایہ داری کی بنیاد پر ذرائع

- اجارہ

18۔ محمد بن حسن، الشیبانی، (م ۱۸۹) 'الجامع الکبیر، دارالمعارف النعمانیه، لاہور، ۱۹۸۱، ص ۲۶۷۔۲۶۸

شراکت:

شرکت سے مراد دو یا دو سے زیادہ افراد کا کاروبار میں متعین سرمایہ کے ساتھ نفع کے حصول کے لیے اکٹھے ہونا اور کاروبار کے نفع اور نقصان کو پہلے سے طے شدہ نسبتوں کے ساتھ تقسیم کرنا ہے۔ امام محمدؒ نے کتاب الشرکۃ مثالوں سے اسے اچھی طرح واضح کیا ہے۔[19] ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے شرکت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ شرکت یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد افراد کسی کاروبار میں متعین مالوں کے ساتھ اس معاہدے کے تحت شریک ہوں کہ سب مل کر کاروبار کریں گے اور کاروبار کے نفع و نقصان میں متعین نسبتوں کے شریک ہونگے۔[20] شرکت کے کاروبار کی اہمیت کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تک دو شرکاء میں سے کوئی ایک دوسرے کے ساتھ خیانت نہ کرے میں ان دونوں کا تیسرا ساتھی بن جاتا ہوں۔[21]

بعض فقہاؒ نے شرکت کی مندرجہ ذیل اقسام بیان کی ہیں:

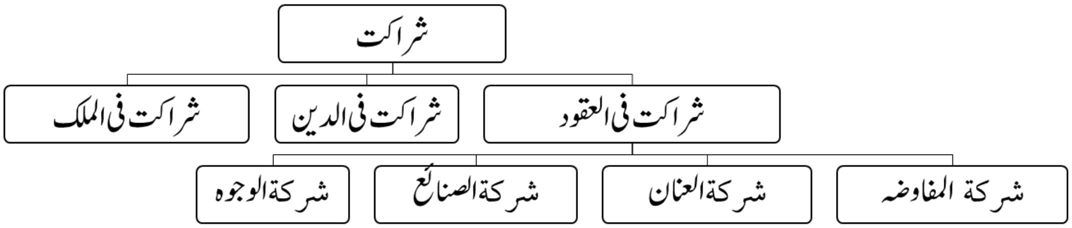

---

[19]۔ حوالہ بالہ

[20]۔ نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر، **شرکت و مضاربت کے شرعی اصول** اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، ص ۱۹

[21]۔ سليمان بن الأشعث السجستاني، أبو داود ،**سنن أبي داود**،باب فِي الشَّرِكَةِ، دار الكتاب العربي بيروت، ح ۳۳۸۵

مضاربت:

بظاہر مضاربت شراکت کی ایک شکل ہی نظر آتی ہے[22]۔ یہ بھی کاروبار کی ان قسموں میں سے ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں رائج تھے اور خود رسول اللہ ﷺ نے مضاربت کی بنیاد پر تجارت فرمائی۔ مضاربت کی تعریف یوں کی گئی ہے هي في اللغة عبارة ان يدفع شخص مالا لاخر ليستجر فيه على ان يكون الربح بينهما على ما شرط و الخسارة على صاحب المال[23](لغت میں مضاربت کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو اس شرط پر مال دے کہ نفع تو بقدر حصہ ان میں تقسیم ہو لیکن نقصان کا ذمہ صرف صاحب مال والا ہو)۔ آپ ﷺ نے مضاربت کی بنیاد پر حضرت خدیجہؓ کا سامان تجارت سرزمین شام میں لے جا کر فروخت کیا۔[24]

بیع سلم:

سلم کے معنی عربی زبان میں سپرد کرنے کے ہوتے ہیں، اہل لغت کے نزدیک سلم اور سلف دونوں ایک ہی معنی میں آتے ہیں، تاہم سلف قرض کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لفظ سلم اہل حجاز کے ہاں مستعمل ہے، جبکہ اہل عراق اسے سلف کہتے ہیں [25]فقہ کی اصطلاح میں "کوئی خاص مال خریدنے کے لیے سونا چاندی یا رقم اداء کی جائے اس شرط پر کہ فلاں چیز اتنے عرصے کے بعد موجودہ قیمت سے بہتر طے شدہ قیمت پر حاصل کی جائے گی۔ اس میں قرض (کے طور پر پیشگی دام) دینے والے کا فائدہ پیش نظر ہوتا ہے اس صورت کو سلم کہتے ہیں

---

[22]۔ پروفیسر چودھری غلام رسول چیمہ، **اسلام کا معاشی نظام (عدل اجتماعی)**، علم و عرفان پبلشرز اردو بازار لاہور، ۲۰۰۷، ص۲۵۸

[23]- عبدالرحمن الجزیری، " **الفقه على المذاهب الأربعة**". دار الكتب العلمية، (۱۴۲۴ء) ۲۰۰۳، ج۳، ص ۴۲

[24]۔ صفی الرحمن مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، مکتبہ اسلامیہ پاکستان، ص۹۱: محمد عبدالملک ابن ہشام، **سیرت ابن ہشام**، مترجم مولانا قطب الدین احمد صاحب محمودی، اسلامی کتب خانہ فضل الٰہی مارکیٹ لاہور، ص ۱۹۱

[25]۔ ڈاکٹر محمد طاہر منصوری، **احکام بیع**، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ص۳۹

نبی اکرم ﷺ جب مدینے تشریف لائے تو اس وقت لوگ پھلوں کی خرید کے لیے دو تین سال پیشگی قیمت ادا کر دیتے تھے، اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص عقد سلم کرے (کسی چیز کی خریداری کے لیے پیشگی رقم دے) تو اسے چاہیے کہ وہ ایک معین پیائش ووزن کی چیز کا سپردگی کے وقت کے تعین کے ساتھ معاہدہ کرے۔[26]

> عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُسْلِفُونَ فِي التَّمْرِ السَّنَةَ،وَالسَّنَتَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ،فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:مَنْ أَسْلَفَ فِي تَمْرٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ، إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ[27] (حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے اور لوگ کھجوریں دو اور تین سال کی معیاد پر سلم کیا کرتے تھے۔ تو فرمایا جو کسی چیز میں سلم کرنا چاہے تو معین ماپ اور معین تول میں معین معیاد تک کرے۔

دور حاضر میں کاروبار ایک پیچیدہ شکل اختیار کر گیا ہے اور اسی طرح سود اس کا لازمہ بن گیا ہے۔ سود پر کاروبار کرنے والے اداروں، کمپنیوں وغیرہ کو انہی کی شرائط کے مطابق کاروبار کرنا ایک مجبوری بن گئی ہے۔ کیونکہ کوئی ملک بھی دوسرے ممالک کے ساتھ کاروبار کیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن مسلمان ممالک بیع سلم کی روشنی میں اپنے اپنے ملک کے اندر بیع سلم کو رائج کر سکتے ہیں۔[28]

26۔ محمّد بن يزيد بن ماجه،القَزْوِينِيّ،" **صحيح ابن ماجة** "،باب الإجارة، باب في السلف،ح ٣٤٦٣ ،مزید تفصیل کے لیے دیکھیے ڈاکٹر محمد طاہر منصوری، **احکام بیع**، ص ۳۹

27۔ **صحيح ابن ماجة** "،باب الإجارة، باب في السلف، ح ٣٤٦٣

28۔ پروفیسر چودھری غلام رسول چیمہ، **اسلام کا معاشی نظام (عدل اجتماعی)**، ص ۲۶۹

بیع مرابحہ وتولیہ:

مرابحہ یہ ہے کہ قیمت حرید پر کچھ نفع لے کر چیز فروخت کی جائے[29]، معنى بيع المرابحة، هو البيع براس المال وربح معلوم، ويشترط علمهما براس المال فيقول راس مالى فيه او هو على بمائة بعتك بها، وربح عشرة [30]"مرابحہ کا معنی ہے اصل لاگت اور متعین نفع کے ساتھ فروخت کرنااس میں ضروری ہے کہ فروخت کنندہ اور مشتری کو اصل لاگت معلوم ہو، چنانچہ بیچنے والا یہ کہے کہ اس میں میرا اصل سرمایہ سو ہے یا یہ مجھے ایک سو کی پڑی ہے میں آپ کو دس نفع لے کر اتنے میں بیچتا ہوں۔"

بالفاظ دیگر کوئی چیر خرید کر اس کی سابقہ پر ایک خاص طے شدہ اور متعین شرح سے اضافہ کے ساتھ فروخت کرنا مرابحہ کہلاتا ہے۔ اور اگر نفع نہ لیا جائے تو اس کو تولیہ کہتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو حضرت ابو بکرؓ نے دو اونٹ خریدے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایک کا میرے ہاتھ تولیہ کر دو۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا حضور کے لیے بغیر دام حاضر ہیں آپ ﷺ نے فرمایا بغیر دام کے نہیں۔[31]

عصر حاضر میں بیع مرابحہ کی شرائط کو بنیاد بنا کر بین الاقوامی سطح پر اندرون ملک کی مصنوعات اور بیرون ملک کی مصنوعات کی خرید و فروخت کی جاسکتی ہے اگر بنک اپنے دائرہ کار میں تجارت کے شعبہ کو منظم کر لیں۔ باہر کی مصنوعات مثلاً بھائی مشینری یا دیگر قیمتی اشیاء منگوا کر اپنے ملک کے اندر ضرورت مندوں کو بیع مرابحہ کے اصول کے تحت فروخت کریں تو یہ طریقہ کار سود کے متبادل ہو سکتا ہے۔[32]

29۔ ڈاکٹر محمد طاہر منصوری، احکام بیع، ص ۳۷

30۔ عبداللہ بن احمد بن محمد، ابن قدامہ، "المغنی"، مکتبة القاهرة، (۱۳۸۸ھ- ۱۹۶۸م، ج ٦ ص، ٢٦٦

31۔ پروفیسر چودھری غلام رسول چیمہ، اسلام کا معاشی نظام (عدل اجتماعی)، ص ۲۷۰

32۔ پروفیسر چودھری غلام رسول چیمہ، اسلام کا معاشی نظام (عدل اجتماعی)، ص ۲۷۱

بیع موجل:

بیع موجل سے مراد ایسی بیع ہے جس میں فروخت کے بعد ادائیگی کی جائے۔ بالفاظ دیگر بیع موجل سے مراد ایسی بیع ہے جس میں فریقین اس بات پر اتفاق کر لیں کہ قیمت کی ادائیگی بعد میں کی جائے گی "بیع موجل" کہلاتی ہے"[33] آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے بھی بیع موجل کے حوالے سے واقعات ملتے ہیں جیسے کہ حضرت عائشہ سے روایت ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ اشْتَرَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا بِنَسِيئَةٍ وَرَهَنَهُ دِرْعَهُ[34]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے ادھار غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی۔

ایک اور مقام پر روایت ہے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ مَشَى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزِ شَعِيرٍ وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ وَلَقَدْ رَهَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْعًا لَه بِالْمَدِينَةِ عِنْدَ يَهُودِيٍّ وَأَخَذَ مِنْهُ شَعِيرًا لِأَهْلِهِ وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ مَا أَمْسَى عِنْدَ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعُ بُرٍّ وَلَا صَاعُ حَبٍّ وَإِنَّ عِنْدَهُ لَتِسْعَ نِسْوَةٍ[35]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس جو کی روٹی اور باسی چربی لے کر گئے اور اس وقت نبی کریم ﷺ نے اپنی ایک زرہ مدینہ طیبہ میں ایک یہودی کے پاس گروی رکھی تھی اور اس سے اپنے اہل خانہ کے لیے کچھ جو لیے تھے۔ اور میں

---

[33]۔ مفتی محمد تقی عثمانی، **اسلامی بینکاری کی بنیادیں ایک تعارف**، ترجمہ محمد زاہد، مکتبہ العارفی، جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد، ص ۱۰۵

[34]۔ **صحيح البخاري** كِتَابُ البُيُوعِ (بَابُ شِرَاءِ النَّبِيِّ بِالنَّسِيئَةِ)، ح۲۱۱۴

[35]۔ **صحيح البخاري**" كِتَابُ البُيُوعِ (بَابُ شِرَاءِ النَّبِيِّ ﷺ بِالنَّسِيئَةِ)، ح۲۰۸۷

نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا؛"آل محمد ﷺ کے پاس کبھی شام کے وقت ایک صاع گیہوں یا کسی اور غلے کا جمع نہیں رہا حالانکہ آپ کی نو بیویاں تھیں۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی رپورٹ میں بیع موجل کے فقہی اصولوں کی روشنی میں جدید دور کے مالیاتی اداروں کے لیے تجویز پیش کی ہے اور کہا کہ بیع موجل کا طریقہ کار صنعتی اور زرعی شعبہ کے علاوہ اندرونی اور بیرونی تجارت میں سرمائے کی فوری ضروریات کی فراہمی کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

"The system could be of considerable use in financing current input requirements of industry and agriculture as well as in the financing of domestic and import trade"[36]

کرایہ داری کی بنیاد پر ذرائع مالیات (اجارة):

اجارہ فقہ اسلامی کی ایک اصطلاح ہے، جس کے لغوی معنی کرائے پر دینا ہے، فقہ اسلامی میں اجارہ کی اصطلاح دو مختلف صورتوں کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ پہلی اجارة الاشخاص اور دوسری اجارة الاشیاء ہے۔ لغوی طور پر اجارہ "الاجر" سے اخذ کیا گیا ہے جس کا مطلب بدل، صلہ، معاوضہ، یا کسی چیز کی قیمت ہے۔ لغت میں اجارہ کا اطلاق عمل کے بدلے میں کسی کو کچھ عوض ادا کرنے پر ہوتا ہے۔ چنانچہ اسلامی قانونِ کاروبار کے تحت اجارہ طے شدہ اور جائز معاوضے، صلے یا کرائے کے عوض مخصوص اثاثہ جات کے معلوم اور مجوزہ حق استعمال یا کسی سے خدمت کے حصول کا کسی مقررہ وقت کے لئے معاہدے ہے۔ بالفاظ دیگر اجارہ سے مراد حق استعمال کی بیع کا عقد ہے۔ اگر اثاثہ کا اجارہ ہوگا تو معاوضہ کرایہ ہوگا اور اگر انسانی خدمات کا اجارہ (اجارة الاشخاص) تو معاوضہ تنخواہ یا مزدوری ہوگی۔

عن أبي هريرة . ﷺ . عن النبي ﷺ قال " ما بعث الله نبيا إلا رعى الغنم ". فقال أصحابه وأنت فقال " نعم كنت أرعاها على قراريط لأهل مكة[37]

---

[36]- Report Council of Islamic Ideology (CII), **"The Elimination of Interest from the Economy"**, June 1980,

[37]- صحیح البخاری، کتاب الاجارة، ح ۲۲۶۲

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا نبی نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم نے پوچھا کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ فرمایا کہ ہاں! کبھی میں بھی مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط کی تنخواہ پر چرایا کرتا تھا۔

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَازِنُ الْأَمِينُ الَّذِي يُؤَدِّي مَا أُمِرَ بِهِ طَيِّبَةً نَفْسُهُ أَحَدُ الْمُتَصَدِّقِينَ-[38]

ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ امانتدار خزانچی بھی خیرات کرنے والوں میں سے ایک ہے جو اپنے دل کی خوشی سے مالک کی دلائی ہوئی رقم پوری پوری دے۔

عن عائشة . ﷺ . واستأجر النبي ﷺ وأبو بكر رجلا من بني الديل ثم من بني عبد بن عدي هاديا خريتا . الخريت الماهر بالهداية . قد غمس يمين حلف في آل العاص بن وائل،وهو على دين كفار قريش،فأمناه فدفعا إليه راحلتيهما،ووعداه غار ثور بعد ثلاث ليال،فأتاهما براحلتيهما،صبيحة ليال ثلاث،فارتحلا،وانطلق معهما عامر بن فهيرة،والدليل الديلي فأخذ بهم أسفل مكة وهو طريق الساحل.[39]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے (ہجرت کرتے وقت) بنودیل کے ایک مرد کو نوکر رکھا جو بنو عبد بن عدی کے خاندان سے تھا

38- **صحیح البخاری**، کتاب الاجارہ، باب استئجار الرجل الصالح، ج۳،ص۸۸

39- **صحیح البخاری**،کتاب الاجارہ، باب استئجار المشرکین عند الضرورۃ او اذلم یوجد اھل الاسلام، ج۳،ص۸۸

۔اور اسے بطور ماہر راہبر مزدوری پر رکھا تھا(حدیث کے لفظ) خریت کے معنی راہبری میں ماہر کے ہیں۔اس نے اپنا ہاتھ پانی وغیرہ میں ڈبو کر عاص بن وائل کے خاندان سے عہد کیا تھااور وہ کفار قریش ہی کے دین پر تھا۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس پر بھروسہ تھا۔اسی لیے اپنی سواریاں انہوں نے اسے دے دیں اور غار ثور پر تین رات کے بعد اس سے ملنے کی تاکید کی تھی۔وہ شخص تین راتوں کے گزرتے ہی صبح کو دونوں حضرات کی سواریاں لے کر وہاں حاضر ہو گیا۔اس کے بعد یہ حضرات وہاں سے عامر بن فہیرہ اور اس دیلی راہبر کو ساتھ لے کر چلے۔یہ شخص ساحل کے کنارے سے آپ کو لے کر چلا تھا۔

عن أنس بن مالك،أن النبي ﷺ احتجم وأعطى الحجام أجره[40]

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ بے شک نبی ﷺ نے پچھنے لگوائے اور آپ ﷺ نے حجام کو اس کی اجرت عنایت فرمائی۔

عن أبي سعيد الخدري " أن النبي ﷺ نهى عن استئجار الأجير حتى يبين له أجره[41]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مزدور کو کرایہ پر لینے سے منع فرمایا یہاں تک کہ مزدور کو اس کی اُجرت بتادی جائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:أَعْطِ الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ[42]

40- **سنن ابن ماجه**، باب : التجارات كسب الحجام، ج۲،ص۷۳۲،ح۲۱۸۲

41- **مسند احمد**،ج۱۸،ص۱۱۶

42- **سنن الكبرى للبيهقى**، كتاب الاجارة، باب اثم من منع الاجير اجره،ج۶،ص۲۰۰

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مذدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی اجرت ادا کر دو۔

موجودہ دور کے متنوع معاشی مسائل میں رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے راہنمائی لیتے ہوئے اجارہ جیسے معاہدوں سے بہت سے معاشی فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ موجودہ دور میں بڑی بڑی عمارتوں سے لے کر چھوٹی گاڑی تک اجارۃ کے ذریعے کرایہ پر حاصل کی جا سکتی ہے۔

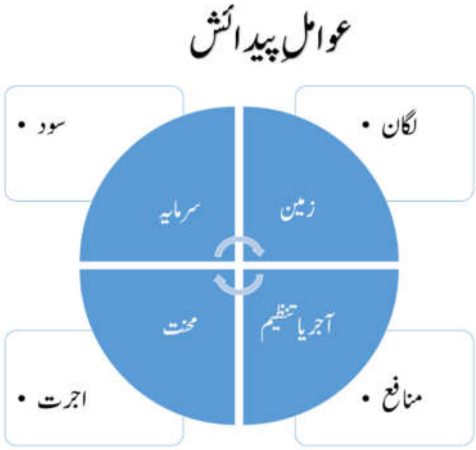

5.3. تقسیم دولت

قومی آمدنی مختلف عاملین پیدائش[43] کی مشترکہ مساعی سے وجود میں آتی ہے اور یہی قومی آمدنی ان عوامل کے درمیان ان کے معاوضوں کی شکل میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اس اعتبار سے اگرچہ پیدائش دولت کا عمل معاشی فروغ اور ترقی کے لیے بنیادی اہمیت رکھتا ہے تاہم معیشت کے استحکام اور معاشرہ کی حقیقی خوشحالی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ پیدائش دولت کی تقسیم اس انداز میں ہو کہ وسائل چند ہاتھوں میں مرکوز ہو کر نہ رہ جائیں اور معاشرہ کا ہر فرد بلا استثنیٰ معقول

43۔ سرمایہ دارانہ معاشی نظام میں میں بنیادی طور پر چار عوامل پیدائش (Factors of Production) ہیں ، سرمایہ، زمین، محنت اور تنظیم جن کا معاوضہ بالترتیب سود، لگان، اجرت اور منافع ہوتے ہیں۔

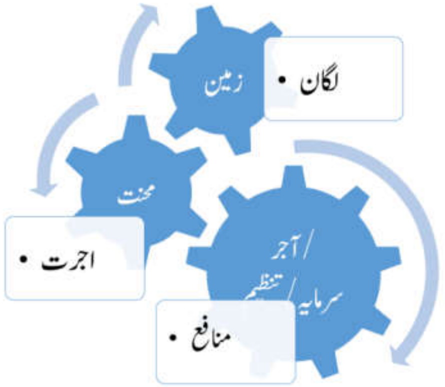

معیار پر باوقار طریقے سے اپنی ضروریات پوری کر سکے[44]۔اسلام کے نزدیک دولت کے اولین مستحق عواملِ پیدائش ہیں اور ثانوی مستحق غرباء و مساکین اور مستحقین زکوٰۃ و صدقات و خیرات ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام بھی دولت کااستحقاق عواملِ پیدائش کو عطا کرتا ہے۔ البتہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں بھی وہی عواملِ پیدائش ہیں جو سرمایہ دارانہ نظام میں ہیں یا اس میں کچھ فرق ہے؟ان عوامل پیدائش کو ملنے والا معاوضہ بھی وہی ہے جو سرمایہ دارانہ نظام میں ہے یا اس میں کچھ فرق ہے؟ اسلام میں عواملِ پیدائش اگرچہ وہی ہیں جو کہ سرمایہ دارانہ نظام میں ہیں،یعنی سرمایہ زمین، محنت اور آجر یا تنظیم۔ تاہم ان کی تعریفیں اور ان کو ملنے والے معاوضے سرمایہ دارانہ نظام سے یکسر مختلف ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام میں محنت کو اجرت اور تنظیم کو نفع کا استحقاق حاصل ہوتا ہے، جبکہ اسلام میں محنت (Labour) کو اجرت ملتی ہے،البتہ تنظیم یا آجر (Entrepreneur) کو اجرت بھی مل سکتی ہے اور وہ نفع میں بھی شریک ہو سکتا ہے۔یعنی محنت خواہ جسمانی محنت ہو یا دماغی محنت (Mental Exhaustion) جس کے ذریعے آجر (Entrepreneur)،بقیہ عوامل پیدائش یعنی سرمایہ، زمین اور جسمانی محنت کو استعمال کرکے نفع کماتا ہے، لہٰذا وہ مختلف معاہدوں (Contracts) کے مطابق حقیقی نفع یا متعین اجرت کا مستحق بن سکتا ہے۔ سیرت طیبہ ﷺ سے ان تمام عوامل کے حوالے سے راہنمائی ملتی ہے۔

44۔ پروفیسر عبدالحمید ڈار، محمد عظمت، عبدالحمید، اسلامی معاشیات، ص ۲۱۳

(الف) زمین کالگان:

معاشیات میں لگان سے مراد معاوضہ کی وہ رقم ہے جو ایک کاشت کار زمین کے استعمال کے بدلے مالک زمین کو مقررہ مدت کے بعد ادا کرتا ہے۔ وسیع تر معنوں میں لگان سے مراد وہ فاضل پیداوار یا آمدنی ہے جو کسی عامل پیدائش کو اس کی قیمت رسد سے زائد وصول ہو۔ قیمت رسد سے مراد وہ کم از کم معاوضہ ہے جو کسی عامل پیدائش کو پیدائش کے میدا میں رکھنے کے لیے لازماً ادا کرنا پڑے۔ اس لحاظ سے تمام عاملین پیدائش کی وصولیوں میں لگان کا عنصر شامل ہو سکتا ہے۔

عَنْ عَمْرٍو قَالَ ذَكَرْتُهُ لِطَاوُسٍ فَقَالَ يُزْرِعُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ وَلٰكِنْ قَالَ أَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ شَيْئًا مَعْلُومًا[45]

حضرت عمرو بن دینار سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت طاوس سے (مزارعت کا) ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا: آدمی دوسرے کو بٹائی پر زمین دے سکتا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا، البتہ یہ ضرور کہا ہے: "اگر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کاشت کے لیے مفت زمین دے دے تو یہ متعین چیز لینے سے بہت بہتر ہے۔

عن رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، يَقُولُ: كُنَّا أَكْثَرَ الأَنْصَارِ حَقْلًا، فَكُنَّا نُكْرِي الأَرْضَ، فَرُبَّمَا أَخْرَجَتْ هَذِه، وَلَمْ تُخْرِجْ ذِهِ،فَنُهِينَا عَنْ ذٰلِكَ وَلَمْ نُنْهَ عَنِ الوَرِقِ[46]

45- **صحيح البخاري** :كِتَابُ المُزَارَعَةِ (بَابُ مَا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يُوَاسِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِي الزِّرَاعَةِ وَالثَّمَرَةِ)، ح٢٣٦١

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے،انھوں نے فرمایا :انصار مدینہ میں سے ہم لوگ سب سے زیادہ کھیتی باڑی کرنے والے تھے اور ہم زمین بٹائی پر دیتے تھے۔اکثر ایسا ہوتا کہ کھیت کے ایک حصے میں پیداوار ہوتی اور دوسرے میں نہ ہوتی،اس لیے ہمیں اس سے منع کر دیا گیا لیکن نقدی کے عوض کرائے پر دینے سے منع نہیں کیا گیا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: لَمَّا فَدَعَ أَهْلُ خَيْبَرَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، قَامَ عُمَرُ خَطِيبًا،فَقَالَ :إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَامَلَ يَهُودَ خَيْبَرَ عَلٰى أَمْوَالِهِمْ، وَقَالَ:نُقِرُّكُمْ مَا أَقَرَّكُمُ اللهُ وَإِنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ خَرَجَ إِلٰى مَالِهِ هُنَاكَ، فَعُدِيَ عَلَيْهِ مِنَ اللَّيْلِ، فَفُدِعَتْ يَدَاهُ وَرِجْلاَهُ، وَلَيْسَ لَنَا هُنَاكَ عَدُوٌّ غَيْرَهُمْ،هُمْ عَدُوُّنَا وَتُهْمَتُنَا وَقَدْ رَأَيْتُ إِجْلاَءَهُمْ،فَلَمَّا أَجْمَعَ عُمَرُ عَلٰى ذٰلِكَ أَتَاهُ أَحَدُ بَنِي أَبِي الحُقَيْقِ، فَقَالَ: يَا أَمِيرَ المُؤْمِنِينَ، أَتُخْرِجُنَا وَقَدْ أَقَرَّنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَامَلَنَا عَلَى الأَمْوَالِ وَشَرَطَ ذٰلِكَ لَنَا، فَقَالَ عُمَرُ: أَظَنَنْتَ أَنِّي نَسِيتُ قَوْلَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَيْفَ بِكَ إِذَا أُخْرِجْتَ مِنْ خَيْبَرَ تَعْدُو بِكَ قَلُوصُكَ لَيْلَةً بَعْدَ لَيْلَةٍ فَقَالَ :كَانَتْ هٰذِهِ هُزَيْلَةً مِنْ أَبِي القَاسِمِ، قَالَ: كَذَبْتَ يَا عَدُوَّ اللهِ ،فَأَجْلاَهُمْ عُمَرُ، وَأَعْطَاهُمْ قِيمَةَ مَا كَانَ لَهُمْ مِنَ الثَّمَرِ، مَالًا وَإِبِلًا، وَعُرُوضًا مِنْ أَقْتَابٍ وَحِبَالٍ وَغَيْرِ ذٰلِكَ رَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ ،أَحْسِبُهُ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَصَرَهُ[47]

---

[46]- **صحيح البخاري** :كِتَابُ الشُّرُوطِ (بَابُ الشُّرُوطِ فِي الْمُزَارَعَةِ)، ح۲۷۴۲

[47]- **صحيح البخاري** :كِتَابُ الشُّرُوطِ (بَابُ إِذَا اشْتَرَطَ فِي الْمُزَارَعَةِ إِذَا شِئْتُ أَخْرَجْتُكَ)، ح۲۷۵۰

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ خیبر کے یہودیوں نے ان کے ہاتھ پاؤں توڑ دیے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے خیبر کا معاملہ ان کے اموال کے متعلق کیا اور فرمایا تھا۔ "جب تک اللہ تعالیٰ تمھیں ٹھہرائے گا ہم تمھیں ٹھہرائیں گے۔" واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں خیبر میں اپنے مال کی دیکھ بھال کے لیے گئے تو رات کے وقت ان پر تشدد کیا گیا اور ان کے ہاتھ پاؤں توڑ دیے گئے ہیں۔ وہاں یہودیوں کے علاوہ ہمارا کوئی دشمن نہیں۔ وہی لوگ ہمارے دشمن ہیں اور ہم انھی پر اپنے شبہ کا اظہار کرتے ہیں، اس لیے انھیں جلاوطن کر دینا ہی مناسب خیال کرتا ہوں، چنانچہ جب انھوں نے اس کا پختہ ارادہ کر لیا تو ابوالحقیق خاندان کا ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: امیر امومنین! آپ ہمیں کیسے یہاں سے جلاوطن کر سکتے ہیں جبکہ ہمیں محمد ﷺ نے ٹھہرایا اور ہمارے اموال پر ہمارے ساتھ معاملہ کیا ہے۔ ہمارے ساتھ یہاں رہنے کی شرط بھی طے کی تھی؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم یہ سمجھتے ہو کہ میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھول گیا ہوں (جو آپ نے تیرے لیے فرمایا تھا:)"اس وقت تیرا کیا حال ہو گا جب تجھے خیبر سے نکالا جائے گا اور تیری تیز رفتار اونٹنیاں راتوں رات تجھے بھگا لے جائیں گی؟" اس یہودی نے جواب دیا: یہ تو ابوالقاسم ﷺ کی طرف سے مذاق کے طور پر تھا۔ تب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! تو جھوٹ بولتا ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں جلاوطن کر دیا اور ان کے پھلوں کی قیمت کچھ نقدی کی صورت میں کچھ ساز و سامان کی صورت میں اور کچھ اونٹنیوں کی صورت میں ادا کر دی۔ ساز و سامان میں پالان اور رسیاں وغیرہ بھی تھیں۔ حماد بن سلمہ نے بھی اس روایت کو مرفوع اور مختصر طور پر بیان کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ لگان کے تعین میں کاشتکار کے حقوق کے بارے میں زیادہ خیال رکھتے تھے۔ خیبر کی فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کی درخواست پر ان کی زمینیں پیداوار میں حصہ داری پر ان کے پاس رہنے دیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو خیبر بھیجا۔ انہوں نے یہودیوں سے یوں خطاب کیا:

> رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمہاری جائیداد (پیداوار) ناانصافی سے لینے کا حکم نہیں دیا بلکہ پیداوار تمہارے اور اللہ کے رسول ﷺ کے درمیان معاہدہ کے مطابق تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اب یہ تم پر منحصر ہے اگر تم چاہو تو میں اس کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دوں یا اور پہلے تم چن لو اور اگر چاہو تو تم اس کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دو اور میں پہلے چن لوں اور مجھے تمہاری تقسیم پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ یہ سن کر یہود کہنے لگے یہ وہ انصاف اور برابری ہے جس نے آسمان اور زمین کو سنبھالا ہوا ہے۔[48]

(ب) منافع:

منافع سے مراد قومی آمدی کا وہ حصہ ہے جو اس شخص کو ادا کیا جاتا ہے جو کاروبار میں نفع و نقصان کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ اسلام وہ دین ہے جس کے علاوہ کوئی ایسا نظام نہیں جو منافع کی حد کا تعین کرے اور ناجائز منافع کے حصول کی حوصلہ شکنی کرے۔ اسلام نے جہاں منافع حاصل کرنے کے لیے اخلاقی اقدار کی تعلیم دی ہے اور منافع کے حصول کے تمام ناجائز ذرائع کو حرام قرار دیا ہے اور ان کی شدید مذمت کی ہے مثلاً

1. **احتکار:** اشیاء کی قیمتوں کو بڑھانے کے لیے روک رکھنا تاکہ منافع زیادہ ہو۔
2. **اتلاف:** مال کا ضائع کر دینا تاکہ منڈیوں میں اشیاء کی رسد کم ہو جائے اور قیمتیں بڑھ جائیں۔

---

[48]۔ مالك بن أنس أبو عبدالله الأصبحي، "**موطأ الإمام مالك** دار احياء التراث العربى، مصر ، باب ماجاء فى المساقاة، (۲: ۷۰۳)، حدیث نمبر ۱۳۸۸

3. **تبخیس:** اشیاءزیادہ نفع کے حصول کے لیے معیار گرادینا۔

4. **اجارہ داری:** کسی شے صرف پر قبضہ کر کے پھراس کو مہنگے داموں فروخت کرناوغیرہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار سوال کیاگیاکہ کون سی کمائی پاکیزہ ترین ہے؟فرمایا: اپنے ہاتھوں سے کام کرنااورہر حلال وجائز خرید وفروخت[49]۔

(ج) اجرت:

علم معاشیات میں جس طرح زراعت وصناعت اور تجارت پیدائش دولت کاایک ذریعہ ہیں اسی طرح محنت بھی ان ذرائع میں شامل ہے۔ محنت سے مرادانسانی فعل ہے خواہ اعضاء وجوارح کاہو یاذہن و قلب کا۔اسلام میں جس طرح متقوم یعنی کوئی قیمت والی شے ہے اسی طرح انسان کے افعال بھی متقوم یعنی قیمت والی شے ہیں۔انسانی زندگی کا دارومدار ہی انسان کے افعال پر ہے۔اگرایک شخص اپنے سرمایہ سے ایک کارخانہ شروع کرتاہے توپیدائش دولت کے لیے مزدوروں کامحتاج ہے، کیونکہ سرمایہ دار کارخانہ کے تمام امور سرانجام دینے سے قاصر ہے۔اگرکارخانہ کے امور کو سرانجام دینے کے لیے ملازمین کی محنت شامل نہ ہو توکارخانہ نہیں چل سکتا۔ سیرت طیبہ ﷺ سے محنت کی اہمیت اور عظمت کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جیسے کہ آپ ﷺ نے خود چند قیراط کی تنخواہ پر مکہ والوں کی بکریاں چرائیں۔[50] ایک مرتبہ آپ ﷺ نے پچھنے لگوائے اور حجام کواس کی اجرت عنایت فرمائی[51] ۔آپ ﷺ کاارشاد ہے کہ مزدور کو

49- أحمد بن الحسين بن علي بن موسى ،أبو بكر البيهقي (م۴۵۸ھ)،**السنن الکبری للبیہقی**،دار الكتب العلمية، بيروت - لبنات،(۱۴۲۴ھ) ۲۰۰۳م،ج۵،ح۲۶۳

50- **صحیح بخاری**،کتاب الاجارۃ،حدیث نمبر ۲۲۶۲

51- **سنن ابن ماجه**، باب : التجارات كسب الحجام،ج۲،ص۷۳۲،ح۲۱۸۲

مزدوری پر رکھنے سے پہلے اس کی اُجرت بتادی جائے[52] اسی طرح ایک اور مقام پر حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مذدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی اجرت ادا کر دو۔[53]

6. کلی معاشیات میں راہنمائی سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

6.1. کفالت عامہ

اسلام کا نظام کفالت یا نظام تکافل بھی ایسا جامع نظام ہے جس میں بلا کسی تخصیص و امتیاز، معاشرے کے ہر فرد کو کسی نہ کسی شکل میں اتنا سامانِ معاش ہر حال میں میسر ہو جائے، جس کے بغیر عام طور پر کوئی انسان نہ اطمینان کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے، اور نہ ہی اپنے متعلقہ فرائض و حقوق سرانجام دے سکتا ہے، اس نظام کے تحت ملکی و قومی دولت کی گردش کا دائرۂ کار چند اغنیاء اور بڑے مالدار لوگوں کے درمیان محدود نہ ہونے پائے کہ دوسرے ان کے رحم و کرم کے محتاج ہوں، بلکہ اس صورت میں تو اور بھی خصوصیت کے ساتھ اسلام اس بات کی تعلیم دیتا ہے، کہ معاشرے کے وہ افراد جو مسکین، محتاج اور نادار ہوں اور کسی طبعی عذر کی وجہ سے معذور ہوں، جس کی وجہ سے کوئی معاشی کام کرنے اور اپنے لیے خود روزی کمانے کے لائق نہ ہوں، یا مناسب روزگار نہ ملنے کی وجہ سے حالت ایسی ہو گئی ہو تو ایسے ضرورت مند افراد کی ''معاشی کفالت'' حکومت کی اولین ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث مبارکہ سے ثابت ہے:

جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ -ﷺ- لَوْ بِعْتَ مِنْ أَخِيكَ ثَمَرًا فَأَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ فَلاَ يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا بِمَ تَأْخُذُ مَالَ أَخِيكَ بِغَيْرِ حَقٍّ۔

52۔ مسند احمد، ج۱۸، ص۱۱٦

53۔ سنن الکبری للبیھقی، کتاب الاجارۃ، باب اثم من منع الاجیر اجرہ، ج٦، ص۲۰۰

حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، اگر تم اپنے بھائی سے کوئی پھل خریدو اور وہ کسی آفت کا شکار ہو جائے تو تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس سے کچھ بھی قیمت وصول کرو، تم کس طرح اپنے بھائی کا مال ناحق لے سکتے ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر باغ فروخت کرنے کے بعد قدرتی آفات کی وجہ سے پھل ضائع ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں باغ کے مالک کو خریدار سے کسی قسم کا مطالبہ کرنا جائز نہ ہوگا۔ اس طرح اس قانون کے تحت خریدار کو قدرتی آفات سے تحفظ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ دیوالیہ ہونے سے بچ سکتا ہے۔

عَنْ أَبِى سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ أُصِيبَ رَجُلٌ فِى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- فِى ثِمَارٍ ابْتَاعَهَا فَكَثُرَ دَيْنُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -ﷺ- تَصَدَّقُوا عَلَيْهِ. فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَبْلُغْ ذَلِكَ وَفَاءَ دَيْنِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -ﷺ- لِغُرَمَائِهِ خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ إِلاَّ ذَلِكَ.[54]

حضرت ابی سعید خذریؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے مبارک دور میں ایک شخص نے پھل خریدے جس کے نتیجے میں اس پر قرض زیادہ ہو گیا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس پر صدقہ کرو۔ لوگوں نے اسے صدقہ دیا لیکن اس سے اس کا قرض پورا نہ ہو سکا تو نبی ﷺ نے قرض خواہوں سے فرمایا اس سے لے لو جتنا کچھ اس کے پاس ہے اس کے علاوہ تمہارا اور کوئی حق نہیں ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ نبی ﷺ نے صدقات کے ذریعے اجتماعی فنڈ قائم کیا اور اس رقم سے ضرورت مند صحابی کی مدد کر کے اسے ریاست کی سرپرستی کے ذریعے اسے دیوالیہ ہونے سے بچا لیا۔ اسی طرح معاشرے کے ضرورت مند اور تنگ دست افراد جو مالی پریشانیوں کی وجہ سے قرض کی ادائیگی بروقت نہ کر سکتے ہوں تو

[54] - سنن أبي داود"، باب فِى وَضْعِ الْجَائِحَةِ، ح۳۴۷۱

ان کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ تنگ دست کو یا تو مہلت دیں یا ان کا قرضہ معاف کر دیں۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث مبارکہ میں ہے:

عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ -ﷺ-أَنَّ رَجُلاً مَاتَ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ فَقِيلَ لَهُ مَا كُنْتَ تَعْمَلُ قَالَ فَإِمَّا ذَكَرَ وَإِمَّا ذُكِّرَ. فَقَالَ إِنِّي كُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ فَكُنْتُ أُنْظِرُ الْمُعْسِرَ وَأَتَجَوَّزُ فِي السِّكَّةِ أَوْ فِي النَّقْدِ. فَغُفِرَ لَهُ. [55]

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص فوت ہو گیا تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تم کیا عمل کرتے تھے تو اس نے جواب دیا کہ میں لوگوں سے خرید و فروخت کیا کرتا تھا اور تنگ دست کو مہلت دے دیا کرتا تھا اور کچھ معاف کر دیا کرتا ہے تو اس بنا پر اس کی بخشش کر دی گئی۔

فَلَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَى رَسُولِ اللهِ -ﷺ- قَالَ أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ فَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهِ[56]

جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو فتح عطاء فرمائی تو آپ نے فرمایا میں ہر مومن کے مقابلے میں اس کے نفس کا زیادہ حقدار ہوں اگر کوئی شخص قرض چھوڑ کر مر جائے تو اس کا قرض میرے ذمے ہے اور اگر کوئی مال چھوڑ کر مر جائے تو وہ مال اس کے ورثاء کا ہے۔

6.2. نظامِ زکوٰۃ و عشر

ریاست کے وہ تمام اقدامات جن کا تعلق حکومت کی آمدنی اور اخراجات سے ہو انہیں مالیاتی پالیسی کہتے ہیں، سیمول سن (P.A. Samuelson) کے مطابق آمدنی حاصل کرنے اور اخراجات کرنے کے تمام طریقے، سرگرمیاں اور اقدامات مالیاتی پالیسی کہلاتے ہیں اس پالیسی کا سب سے بڑا مقصد افراطِ زر اور تفریطِ زر کے بغیر روزگار کا

[55]- **صحيح مسلم**، باب فَضْلِ إِنْظَارِ الْمُعْسِرِ، ح٤٠٧٦

[56]- **صحيح مسلم**"، باب مَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهِ، ح ٤٢٤٢

معیار قائم رکھنا ہوتا ہے۔ اسلام جہاں ارتکاز دولت کی حوصلہ شکنی کرتا ہے وہاں دولت کی منصفانہ تقسیم کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔ زکوٰۃ جو کہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے، عہد نبوی ﷺ میں ریاست کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ زکوٰۃ ہی تھا۔ جس کا بنیادی مقصد مالدار لوگوں سے زکوٰۃ کو وصول کر کے نادار اور غریب افراد میں اس کو تقسیم کرنا تاکہ معاشرے میں دولت کی منصفانہ تقسیم کی جا سکے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ الثَّقَفِيُّ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ،عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَهُ، وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ، قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِأَبِي بَكْرٍ: كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ؟ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَأُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ، حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ،فَمَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ، وَنَفْسَهُ، إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَاللهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ, فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَ اللهِ لَوْ مَنَعُونِي عِقَالًا كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهِ،فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: فَوَ اللهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ، قَالَ: فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ.قَالَ أَبو دَاود: وَرَوَاهُ رَبَاحُ بْنُ زَيْدٍ وَرَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ،عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِإِسْنَادِهِ.وَقَالَ بَعْضُهُمْ: عِقَالًا وَرَوَاهُ ابْنُ وَهْبٍ،عَنْ يُونُسَ قَالَ عَنَاقًا. قَالَ أَبو دَاود: قَالَ شُعَيْبُ ابْنُ أَبِي حَمْزَةَ وَمَعْمَرٌ وَالزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ فِي هَذَا الْحَدِيثِ لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا وَرَوَى عَنْبَسَةُ، عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ فِي هَذَا الْحَدِيثِ قَالَ عَنَاقًا[57].

سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی اور ان کے بعد سیدنا ابو بکرؓ کو خلیفہ بنایا گیا اور قبائل عرب میں سے جنہوں نے کفر اختیار کرنا تھا، انہوں نے کفر

---

[57]- "سنن أبي داؤد" كِتَابُ الزَّكَاةِ (بَابُ وُجُوبِهَا)، ح ١٥٥٧

اختیار کر لیا، تو سیدنا عمر بن خطابؓ نے سیدنا ابو بکرؓ سے کہا، آپ لوگوں سے کس بنا پر قتال (جنگ) کریں گے؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ فرگئے ہیں" مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے قتال کروں حتیٰ کہ وہ «لا إله إلا الله» کہیں۔ تو جس نے «لا إله إلا الله» کہا، اس نے مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان کو محفوظ کر لیا، الا یہ کہ اسلام کا کوئی حق ہو، اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔" اس پر سیدنا ابو بکرؓ نے جواب دیا قسم اللہ کی! میں ہر اس شخص سے لازماً جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا (شرعی) حق ہے۔ قسم اللہ کی! اگر ان لوگوں نے مجھ سے وہ رسی بھی روک لی جو وہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کیا کرتے تھے تو میں اس کے روک لینے پر بھی ان سے جنگ کروں گا۔ تو عمر بن خطابؓ نے کہا، قسم اللہ کی! میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کے لیے ابو بکرؓ کا سینہ کھول دیا ہے اور بالآخر میری سمجھ میں بھی یہ بات آگئی کہ یہی بات حق ہے۔ امام ابو داؤدؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث رباح بن زید اور عبدالرزاق نے معمر سے، انہوں نے زہری سے اسی کی سند سے روایت کی ہے۔ بعض نے "عقالا" "رسی" کا لفظ بیان کیا ہے، جبکہ ابن وہب نے یونس سے "عناقا" "بکری کا بچہ" روایت کیا ہے۔ امام ابو داؤدؒ کہتے ہیں کہ شعیب بن ابی حمزہ، معمر اور زبیدی نے بھی زہری سے اس حدیث میں اسی طرح کہا ہے (کہ ابو بکرؓ نے کہا) "لو منعوني عناقا" اگر ان لوگوں نے مجھ سے بکری کا ایک بچہ بھی روک لیا تو۔۔۔" ایسے ہی عنبسہ نے یونس سے، انہوں نے زہری سے لفظ "عناقا" "بکری کا بچہ" روایت کیا ہے۔

6.3. نظام اوقاف

انفاق فی سبیل اللہ کے اخلاقی وسائل میں سے ایک بہترین وسیلہ وقف بھی ہے اس لیے اسلام کے معاشی نظام نے اس کے اجراء اور توسیع کے لیے بہت زیادہ ترغیب دی ہے اور صحابہؓ نے اس کا عملی مظاہرہ کر کے اس کو مستحکم

اور مضبوط بنادیا ہے۔ اربابِ ثروت کی شبانہ روز زندگی کا یہ نقشہ ہمارے سامنے ہے کہ ایک شخص اپنی پیدا کی ہوئی یا دوسرے جائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت کو اگرچہ اپنی ضروریات سے فاضل سمجھتا ہے تو اسے اسلام کی اخلاقی تعلیمات اس بات کی ترغیب دیتی ہیں کہ اپنی فاضل دولت کو کارِ خیر میں صرف کرے اور اس کا بہترین مصرف یہ ہے کہ وہ اسے وقف کر کے اپنے لیے صدقہ جاریہ بنادے جس طرح کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

عن أبي هريرة ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له[58]

حضرت ابو ھریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے تمام عمل ختم ہو جاتے ہیں لیکن تین چیزیں باقی رہتی ہیں ایک صدقہ جاریہ، دوسرا علم نافع اور تیسرا نیک اولاد جو اس کے لیے ہر وقت دعا گو رہے۔

صدقہ جاریہ کی سب سے اعلیٰ قسم وقف ہے جیسا کہ حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے، حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہؓ مدینہ کے انصار صحابہ میں سب سے زیادہ مالدار تھے اور ان کا سب سے زیادہ محبوب مال مقام بیر حا میں کھجوروں کا ایک باغ تھا جو مسجد نبوی کے قریب تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (تم ہر گز نیکی کی حقیقت کو نہیں پا سکتے یہاں تک کہ اپنا محبوب ترین مال میں سے خرچ کرو) تو ابو طلحہؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میں اپنا یہ باغ اللہ کے نام صدقہ (وقف) کرنا چاہتا ہوں تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیں اس کو استعمال کریں۔

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو طلحہؓ کے اقرباء میں اس کی آمدنی کو وقف کر دیا[59] اسی طرح حضرت عمرؓ نے خیبر کی وہ زمین جو ان کے حصے میں آئی تھی اسے بھی اللہ کے نام پر وقف کر دیا تھا۔

---

[58]- **صحيح مسلم**"، باب مَا يَلْحَقُ الإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ ،ح ۴۳۱۰

[59]- مالك بن أنس أبو عبدالله الأصبحي،"**موطأ الإمام مالك**"،باب الترغيب في الصدقة،ح ۱۸۰۷

6.4. بیت المال کا نظام

بیت المال ایک اسلامی ریاست کا ایک اہم ادارہ ہے، یہ ادارہ حکومت کے آمد و خرچ اور عوام کی بہبود کے لیے قائم کیا جاتا ہے۔ اسلامی ریاست بیت المال کی امین ہوتی ہے اور اس امانت کی حفاظت اور نگہداشت کرنا ریاست کے بنیادی فرائض میں شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا[60] تو اس کے ساتھ ہی بیت المال بھی قائم ہو گیا اور اس سے ضرورت مند افراد کی انفرادی ضروریات بھی پوری کی جاتی تھیں اور اجتماعی ضروریات بھی پورا کی جاتی تھیں۔ آپ ﷺ کے دور میں بیت المال کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعے صدقاتِ نافلہ، زکوۃ، مال فےء، خمس تھے۔ البتہ بیت المال کا کوئی منظم سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا بلکہ جتنا کچھ بیت المال میں جمع ہوتا تھا وہ سب کا سب خرچ کر دیا جاتا تھا۔[61] بعد ازاں خلافت ابو بکر صدیقؓ میں جب سلطنت کی حدود میں وسعت پیدا ہوئی تو مفتوحہ علاقوں سے مال غنیمت آنا شروع ہوا تو بیت المال میں بھی اضافہ ہوا لیکن سیدنا عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں حقیقی طور پر بیت المال کو ایک ادارہ بنا دیا اور اس کے لیے صحابہ اکرامؓ کے مشورے سے ایک مستقل عمارت تعمیر کی گئی اور حضرت عبد اللہ ابن ارقمؓ کو اس کا وزیر خزانہ بنایا گیا۔

7. مسلم ممالک کو درپیش چیلنجز اور ان کا حل سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

سیرت نبوی ﷺ اور احادیث سیرت کے عمیق مطالعے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ آپ ﷺ کی معاشی و اقتصادی زندگی اور تعلیمات اور بنیادی تصورات اپنے معنی و مفہوم اور روح کے لحاظ سے پوری انسانی دنیا میں انفرادیت کے حامل ہیں۔ یہ وہ نظام ہے جو دیگر معاشی نظاموں سے ممتاز ہے اور نافذ العمل بھی ہے اور انسانیت کی فلاح و بہبود کی ضمانت عطا کرتی ہیں۔ آپ ﷺ کی یہی معاشی و اقتصادی تعلیمات ہیں۔ یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ ایسے

60۔ حکیم محمود احمد ظفر، **معیشت و اقتصاد کا اسلامی تصور**، ادارہ اسلامیات لاہور، ص ۱۷۹

61۔ محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، **اسلام کا اقتصادی نظام**، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص ۱۰۸

بنیادی ڈھانچے کے قیام میں حقیقی رکاوٹ وہ سماجی اور معاشی ناانصافیاں ہیں جو جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ اور کمیونزم و اشتراکیت کے نظام کی خصوصیات ہیں اور جنہوں نے انسانی سماجی زندگی میں دولت کے غلط و بے جا ارتکاز، اور اسی طرح جائز حق ملکیت سے محرومی اور فرد کی پیداواری قوت کی لوٹ کھسوٹ کی شکل میں سر اٹھار کھا ہے اور جو وسیع پیمانہ پر بددیانتی، بدلی اور مایوسی پیدا کر رہی ہیں۔ مگر آپ کے عطا کردہ معاشی اصولوں اور رہنمائی کے مطابق اَصل رِزق اور حق معاش میں سب انسان برابر ہیں۔

ہر ملک جو ترقی یافتہ ہو وہ اپنی معاشی ترقی بڑھانا چاہتا ہے اور جو غریب ہو وہ اپنی غربت اور پسماندگی کو دور کر کے معاشی ترقی کی راہ ہموار کرنا چاہتا ہے چنانچہ ہر ملک کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کا معاشی ڈھانچہ مضبوط ہو اور اس کی مجموعی پیداوار اور روزگار کا معیار بلند ہو۔ معیشت کا ہر شعبہ ترقی کرتا ہو۔ ملک اپنی ضروریات پوری کرنے میں حود کفیل ہو۔ بیرونی قرضوں اور امداد پر اس کا انحصار کم ہو۔ گویا ملک معاشی دوڑ میں آگے نکل رہا ہو۔ موجودہ دور کے معیشت دان مغربی سوچ کے حامل ملکی معاشی مسائل کا حل مغربی معاشی نظام میں تلاش کرتے ہیں حالانکہ ان تمام مسائل کا حل سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں حل کیے جانے چاہیں۔

دور حاضر میں مسلم امہ کو جن چیلنجز کا سامنا ہے ان میں سودی نظام معیشت، غربت، بے روزگاری، افراط زر، غیر ملکی قرضے، اور بین الاقوامی تجارت کا عدم توازن ہے۔ مسلم ممالک ان چیلنجز سے اسی صورت میں نبرد آزما ہو سکتے ہیں جو یہ اپنی معاشی پالیسیوں میں قرآن و سنت اور سیرت طیبہ سے راہنمائی حاصل کریں۔ ابتداً اپنی معیشت کو مظبوط کرنے کے لیے باہمی تعاون اور تجارت کو بڑھانا چاہیے، تاکہ ان ممالک میں روزگار کے مواقع پیدا ہوں اور غربت و بے روزگاری کا خاتمہ ہو سکے۔ مسلم حکومتوں کو چاہیے کہ صنعت کاروں کو بلا سود قرضے یا دیگر سرمایہ کاری کے ذرائع سے سرمایہ فراہم کریں تاکہ مذید کارخانے بنائے جا سکیں اور ملکی برآمدات میں اضافہ ہو۔

مسلم ممالک کو چاہیے کہ، وہ اپنی مالیاتی پالیسی کو شرح سود سے کنٹرول کرنے کی بجائے نظام زکوۃ کا نفاذ کریں جو کہ اسلامی نظام معیشت کا ایک امتیازی پہلو ہے۔